پروفیسر رحمت فرخ آبادی ایم اے

دولتِ ہباریہ منصورہ (سندھ)

دولتِ ہباریہ کا بانی عمر بن عبدالعزیز ہباری تھا۔ اس نے ۲۴۷ھ میں سندھ میں ایک آزاد اور خودمختار حکومت کی بنیاد رکھی، اس کا پایۂ تخت منصورہ تھا۔

اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت ہبار بن اسود اسدی قرشیؓ تھے۔ یہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اور مدینہ میں قیام پذیر ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ہبار بن اسود ملک شام کی طرف چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ان کا انتقال ۱۵ھ میں ہوا۔

حضرت ہبار بن اسود کے تین لڑکے تھے۔ (۱) علی بن ہبار (۲) عبدالرحمٰن بن ہبار (۳) اسمٰعیل بن ہبار۔ سندھ میں ہباری سلطنت کے بانی عمر بن عبدالعزیز انہی عبدالرحمٰن بن ہبار کی اولاد سے ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن ہبار بن اسود۔

درحقیقت عبدالرحمٰن بن ہبار کے پوتے منذر بن زبیر ہباری اموی دورِ خلافت میں سندھ آئے۔ ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ ابن ہبار کا خاندان بنوامیہ اور بنوعباس دونوں ادوار میں سلطنت کے کاموں میں شریک رہا اور آہستہ آہستہ حجازی قبیلے کا سردار ہوگیا۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری انہی کے پوتے تھے جنھوں نے سندھ کے ایک علاقے پر قبضہ کرکے اپنی خودمختار حکومت قائم کی، لیکن اس کے باوجود عباسی خلافت کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ ہباری خاندان کی سندھ پر حکومت ۴۱۷ھ تک قائم رہی۔ اس طرح اس خاندان نے تقریباً پونے دوسو سال تک حکومت کی۔ اس خاندان کے جن حکمرانوں کے حالات کتبِ تواریخ سے دست یاب ہوئے ہیں وہ ہم بیان کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے علاوہ اس خاندان کے دیگر افراد بھی حکمراں رہے ہوں لیکن تاریخ ان کے بارے میں خاموش ہے۔

۱۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری: مشہور مؤرخ بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں والیٔ عراق خالد بن عبداللہ قسری نے ۱۰۸ھ میں حکم بن عوانہ

کلبی کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا تو اسی کے ساتھ عمر بن عبد العزیز کا دادا، منذر بن زبیر بھی سندھ آئے، اور سندھ کے ایک چھوٹے سے شہر بانیہ میں رہائش اختیار کی۔ منذر بن زبیر تقریباً پچیس سال تک بانیہ میں خاموشی سے زندگی گزارتے رہے۔ لیکن جب بنو عباس کا دور آیا تو انھوں نے سندھ سے نکل کر ۱۳۲ھ میں قرقیسیا میں اقتدار پر قابض ہونے کی کوشش کی اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے عباسیوں کے خلاف باغیوں کی رہنمائی کی، لیکن گرفتار ہوئے اور بعد میں انھیں قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۳۶ھ کا ہے۔ منذر بن زبیر کے قتل کے بعد کافی عرصے تک ہباری خاندان کی سرگرمیوں کا حال معلوم نہیں ہوتا، البتہ اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ ہباری خاندان نے سندھ کے شہر بانیہ میں رہ کر عباسی خلافت سے اپنی وفاداری اور اپنے تعلق کو قائم رکھا۔

۲۲۷ھ میں جب عباسی خلیفہ واثق باللہ کے دور میں سندھ میں مقیم عربوں کی قبائلی جنگ نے یمنی اور نزاری عصبیت پیدا کر دی تو سندھ کے عباسی حکمران عمران بن موسیٰ برمکی نے یمنیوں کا ساتھ دیا اور بلاذری کے الفاظ میں منذر بن زبیر کے پوتے عمر بن عبد العزیز نے حجاز کے نزاریوں کا ساتھ دیا اور عباسی گورنر عمران کا مقابلہ کیا، اور آخر کار عمر بن عبد العزیز کے ہاتھوں عمران قتل ہوا۔ اس کی اس کامیابی کی وجہ سے سندھ میں اس کی کافی شہرت و ناموری ہوئی اور اس طرح سندھ میں اس کے اقتدار کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود عمر بن عبد العزیز ہباری نے عباسی خلافت سے تعلق قائم رکھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خلیفہ معتصم باللہ کے والیٔ سندھ عنبسہ بن اسحاق کے ماتحت رہ کر عباسی خلافت کا وفادار رہا۔ اس دور میں بھی عمر بن عبد العزیز کا اقتدار مطلق العنان حکمراں سے کسی طرح کم نہ تھا اور اس کی مرضی اور استقبال کے بغیر کوئی عباسی حاکم سندھ میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی شان و شوکت اور اقتدار نے اس کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ چنانچہ جب ۲۴۰ھ میں سندھ کا عباسی والی ہارون بن ابو خالد مروزی قتل کر دیا گیا تو عمر بن عبد العزیز نے منصورہ پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ متوکل نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اسے سندھ کا والی مقرر کر دیا لیکن جب ۲۴۷ھ میں خلیفہ متوکل قتل ہو گیا تو عمر بن عبد العزیز نے سندھ میں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی، لیکن اب بھی اس نے عباسی خلافت سے تعلق برقرار رکھا اور عباسی خلفا ہی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ خلافتِ بغداد سے اس کے خوش گوار تعلقات کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ

عباسی خلافت بھی سندھ کو اپنے مقبوضات میں شمار کرتی تھی۔ چنانچہ جب عباسی خلیفہ معتمد نے یعقوب بن لیث السفار کو ۲۵۷ھ میں ترکستان، طبرستان، سجستان، جرجان، آذربائیجان، رے اور کرمان کی سند امارت دی تو سندھ کا علاقہ بھی اس میں شامل تھا۔ اور یہ کہ ۲۶۱ھ میں جب خلیفہ معتمد نے اپنے بھائی موفق کو مشرقی علاقوں کی سند امارت دی تب بھی اس میں سندھ شامل تھا۔ بقول قاضی اطہر مبارک پوری اس نے اپنے زمانے میں نہایت کامیاب اور شان دار حکومت کی۔ پورے سندھ میں امن وامان قائم کیا۔ عوام میں مقبولیت حاصل کی، خراج اور ٹیکس وصول کیا اور اسی کی نسبت سے منصورہ کے ہباری حکمران بعد میں بنو عمر بن عبدالعزیز کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسی کے دور میں برصغیر کے معاملات سے اہلِ عرب زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ چنانچہ مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ ابن ندیم جس نے اپنی کتاب ۳۷۷ھ میں ترتیب دی تھی، لکھتا ہے کہ ایک کتاب میری نظر سے گزری جس میں ہندوستان کے مذاہب کا بیان تھا۔ یہ جمعہ ۳ محرم ۲۴۹ھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کا کاتب یعقوب بن اسحاق کندی تھا۔ اس میں لکھا کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے کچھ لوگوں کو ہندوستان اس لیے بھیجا کہ یہاں کے نباتات کی تحقیقات کی جائے اور کارآمد اشیا اپنے ساتھ لائیں اور دینی امور کی بھی چھان بین کی جائے، چنانچہ واپسی پر انھوں نے ایک رپورٹ پیش کی یہ اسی کا خلاصہ ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے صرف تین سال حکومت کی۔ اس کا انتقال ۲۵۰ھ میں ہوا۔

۲۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہباری: عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوا۔ مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ وہ ۲۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا جو غلط ہے۔ البتہ وہ ۲۷۰ھ میں حکمران تھا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح سندھ پر بہت کامیابی سے حکومت کی ــــ یہ اپنی شرافت اور دیانت داری کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس کا دربار علما، فضلا، ادبا اور شعرا سے بھرا رہتا تھا۔ اسی کے دورِ حکومت میں بنو کندہ کے ایک آزاد کردہ غلام ابوالصمہ (جو تیسری صدی ہجری کے شروع میں عباسی والئ سندھ عمر بن حفص کے ساتھ سندھ آیا تھا) کے لڑکے ابوسمہ نے سندھ میں بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ عبداللہ بن عمر چونکہ بانیہ میں رہتا تھا جو منصورہ سے سات میل دور تھا، اس لیے محفوظ رہا۔ بعد میں عبداللہ بن عمر نے اسے شکست دے کر منصورہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اسی وقت سے بانیہ کے بجائے

منصورہ میں رہنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عمر کے دور کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ کشمیر کے قرب وجوار میں الور کے راجہ مہروق بن رائق نے جو ہندوستان کے نامی گرامی بادشاہوں میں سے تھا، ۲۷۰ھ میں حاکم منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ وہ اس کے لیے اسلامی شریعت اور احکام کو ہندی زبان میں شرح کے ساتھ بیان کرنے کے لیے کسی عالم کو بھیجے۔ عبداللہ بن عمر نے ایک عالم وفاضل کو بلایا جو منصورہ میں رہتا تھا، اس کا خاندان عراق کا تھا۔ یہ عالم ذہین وطباع اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ عربی زبان کا بھی اچھا شاعر تھا۔ اس کی پرورش ہندوستان میں ہوئی تھی اور وہ یہاں کی مختلف زبانوں سے واقف تھا۔ عبداللہ بن عمر نے الور کے راجہ مہروق بن رائق کی خواہش اس کے سامنے رکھی۔ اس نے راجہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے ایک قصیدہ لکھ کر بھیج دیا۔ اس نے اس قصیدے میں اپنی ضروریات کا ذکر کیا تھا جو راجہ کے پاس جانے پر درکار تھیں۔ جب یہ قصیدہ راجہ کو سنایا گیا تو وہ بہت خوش ہوا اور عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ اس قصیدے کے لکھنے والے عالم کو فوراً بھیج دیا جائے، چنانچہ عبداللہ بن عمر نے اس عالم کو راجہ کے پاس الور بھیج دیا جہاں وہ تین سال مقیم رہا۔

جب یہ عالم منصورہ واپس آیا تو عبداللہ بن عمر نے راجہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس عالم نے پوری تفصیل بیان کی اور کہا کہ میں نے راجہ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ قلب وزبان سے تو وہ مسلمان ہو گیا ہے مگر حالات کی نزاکت اور سلطنت کے خیال سے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ راجہ نے مجھ سے قرآن کریم کی تفسیر ہندی زبان میں بیان کرنے کی فرمائش کی تو میں نے اس کے ایما پر یہ کام بھی کیا۔ اس نے اور دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ راجہ نے اپنے لیے ایک مخصوص کمرہ بھی بنوایا تھا جس میں وہ تنہا داخل ہو کر نماز پڑھتا تھا اور کسی دوسرے کو اطلاع نہیں ہوتی تھی۔ ارکانِ دولت سمجھتے تھے کہ راجہ مہماتِ سلطنت اور ذاتی معاملات پر غور وفکر کے لیے اس کمرے میں جایا کرتا ہے اور یہ کہ اس عرصے میں راجہ نے مجھے تین بار ہدیہ میں سونا دیا جس کی مجموعی تعداد چھ سو سیر تھی۔

عبداللہ بن عمر ہی کے دور میں سندھ کے ایک سرحدی علاقے کا راجہ ۲۵۹ھ میں مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے سونے کی ایک زنجیر جو زمرد اور یاقوت سے پچیکاری کی ہوئی تھی بطور ہدیہ اللہ

شریف بھیجی جس کے ساتھ سبز رنگ کا یاقوت بھی تھا۔ بعد میں جب یہ خبر بغداد پہنچی تو یہ زن
خلیفہ معتمد کے سامنے پیش کی گئی۔ اس نے حکم دیا کہ کعبے میں اس کو آویزاں کیا جائے، چنانچہ ا
حکم کی تعمیل کی گئی۔

اسی کے زمانے میں مشہور سیاح ابوزید سیرافی ۲۶۴ھ میں ہندوستان آیا۔ اسی طرح اسماعی
داعی بھی عبداللہ بن عمر کے دور ۲۷۰ھ میں سندھ آئے۔ اس وقت اسماعیلیوں کے امام عبد
المہدی تھے۔ انھوں نے جس داعی کو روانہ کیا اس کا نام ہیثم تھا۔ اسی نے سندھ میں اسما
انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک نے آگے چل کر سندھ میں اپنی سلطنت بھی قائم کر لی تھی۔
مولانا قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں مہاراجگانِ الور، سلاطینِ منصورہ کی
میں ان کے باج گزار بن کر حکومت کرتے تھے اور رالور میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی اور اسا
شان و شوکت چہار سو برپا تھی۔

۳۔ موسیٰ بن عمر بن عبدالعزیز: یہ عبداللہ بن عمر کا حقیقی بھائی تھا۔ ۲۷۱ھ میں اس
حکمران ہونے کا پتا چلتا ہے۔ عباسی خلفا کے ساتھ اس کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے۔ اس
۲۷۱ھ میں عباسی خلیفہ معتضد کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا جس میں عظیم الجثہ ہاتھی، عمدہ نسل
اونٹ اور گائے کی مانند ہرن جن کا رنگ سیاہی مائل تھا، سونے کے تین مجسمے، مشک وغیرہ
ریشمی کپڑے، عود کا تخت اور اسی قسم کی دوسری گراں مایہ اشیا شامل تھیں۔ اس کے اس
ہدیہ بھیجنے سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ اس کی حکومت کا پہلا سال ہو اور اسی منا
سے عباسی خلیفہ کو ہدیہ روانہ کیا ہو۔ ان تحفے تحائف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہباری حکم
کے تعلقات عباسی خلافت سے نہایت خوش گوار اور پُر خلوص تھے اور وہ ان کے نام کا خ
پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کے اقتدار کے بھی گن گاتے تھے۔

ابن کثیر لکھتا ہے کہ انھی کے زمانے میں شوال ۲۸۰ھ میں سندھ کی بندرگاہ دیبل میں چا
لگا۔ غالباً سورج گرہن بھی تھا، کیونکہ عصر کے وقت تک تاریکی چھائی رہی تھی۔ پھر عصر کے وقت
سیاہ رنگ کی ایک شدید آندھی چلی جو تہائی رات تک چلتی رہی۔ دیبل کے لوگ جب آرام
نیند کے مزے لے رہے تھے اور رات کا تہائی حصہ گزر چکا تھا کہ یکایک بڑے زور کا زلزلہ آ

دیبل تباہ ہوگیا، بمشکل ایک سو مکان بچے ہوں گے۔ اس کے بعد پھر پانچ مرتبہ زلزلہ آیا۔ ملبے کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی مردہ نکلے۔ مجروح اور زندہ رہنے والے افراد کی تعداد اور جو صحیح سلامت بچ رہے، اس کے علاوہ ہے۔ اس سے دیبل کی آبادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ اس واقعے کی خبر فوراً پرچہ نویس نے بغداد روانہ کی۔ بغداد میں اس وقت معتضد باللہ خلیفہ تھا جس کی حکومت ۲۷۹ھ ۲۸۹ھ تک رہی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سندھ پر اس وقت تک عباسی خلیفہ کا اثر موجود تھا اور یہ کہ ڈاک اور خفیہ پولیس کا انتظام بھی براہ راست خلیفۂ بغداد کے ماتحت تھا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ انہی کے زمانے میں ۲۸۳ھ میں بغداد سے محمد بن ابی الشوارب پایۂ تخت منصورہ کے قاضی منتخب کیے گئے۔ یہ بڑے اہل علم اور لائق لوگوں میں سے تھے۔ اگر یہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو سندھ کو بڑا فائدہ پہنچتا، لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اور سندھ کے چھ ماہ بعد ہی شوال ۲۸۳ھ میں انتقال کرگئے۔

۴۔ **ابوالمنذر عمر بن عبداللہ:** یہ دولتِ ہباریہ منصورہ کا چوتھا حکمران تھا۔ اس کا نام عمر اور کنیت ابوالمنذر تھی۔ اس کے زمانے میں (۳۰۰ھ سے ۳۰۳ھ میں) مشہور عرب سیاح المسعودی سندھ آیا تھا۔ اس نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں اس کے دور کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے وزیر کا نام رباح ہے۔ اس کے دو لڑکے ہیں جن میں ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام علی ہے۔ ارکانِ دولت میں سے ایک شخص حمزہ نامی بڑا بااثر تھا۔ یہ غالباً امیرالامرا کے عہدے پر فائز تھا۔ یہ ایک عرب خاندان کا معزز شخص تھا۔ منصورہ میں علویوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ سندھ کے ملوک، منصورہ اور بغداد کے آل ابن ابی الشوارب کے درمیان خوش گوار تعلقات اور رشتہ داریاں ہیں۔ ان کا پایۂ تخت منصورہ ہے جو ملتان سے تقریباً چھ سو میل کے فاصلے پر ہے۔ حکومتِ منصورہ سے متعلق جو علاقہ ہے اس میں تین لاکھ ایسے دیہات اور بستیاں ہیں جن کا شمار ہو سکا ہے۔ پوری مملکت میں کھیتیاں، درخت اور قریب قریب آبادیاں ہیں۔ اس میں میدنامی ایک قوم ہے جس سے اکثر جنگ رہا کرتی ہے۔ منصورہ کے بادشاہ کے پاس اسّی جنگی ہاتھی ہیں اور یہاں کے جنگی اصول کے مطابق ہر ہاتھی کے اردگرد پانچ سو پیدل فوج ہوتی ہے۔ ایک ہاتھی ایک ہزار گھڑسواروں سے مقابلہ کرتا ہے۔ میں نے منصورہ کے حاکم کے یہاں دو ایسے ہاتھی دیکھے جو بہادری اور حملہ آوری میں سندھ اور

ہندوستان کے تمام راجوں، مہاراجوں میں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام منفرقلس اور دوسرے ہاتھی کا نام حیدرہ ہے۔ منفرقلس کے بارے میں ان اطراف میں حیرت انگیز واقعات مشہور ہیں۔ مسعودی مزید لکھتا ہے کہ اس ملک میں ہاتھیوں سے لڑائی کے سوا دوسرے کام بھی لیتے تھے، مثلاً رتھ کھینچنے، بوجھ اٹھانے اور غلہ نکالنے کے کام۔

اس وقت منصورہ میں مقامی لوگ سندھی بولتے تھے مگر حکمران طبقہ اور خواص عربی اور سندھی دونوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ اگرچہ یہاں کا خود اپنا سکہ بھی تھا مگر تجارت میں آسانی کے خیال سے قندھاری اور طاطری (سماڑاکے) سکے کا بھی رواج تھا۔ اس کے دور میں تجارت کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا۔

۵۔ محمد بن عمر بن عبداللہ: اس کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ یہ محمد کا بھائی اور عمر بن عبداللہ کا لڑکا تھا۔ لیکن اگر اس نے حکومت کی تو کب سے کب تک؟ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

۶۔ علی بن عمر بن عبداللہ: اس کے بارے میں صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ محمد کا بھائی اور عمر بن عبداللہ کا لڑکا تھا۔ اس نے حکومت کی یا نہیں کی، اس بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔

۷۔ یحییٰ بن محمد: یہ محمد بن عمر بن عبداللہ کا لڑکا تھا۔ ایک روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۳۷۷ھ میں حکمراں تھا۔ اس کی حکومت نہ صرف پورے سندھ پر تھی بلکہ بغائین کے حکمران بھی اسے خراج دیتے تھے۔ یہ بھی دوسرے ہباری حکمرانوں کی طرح بنو عباس کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا۔ اس نے بعد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا شروع کیا۔ یہ بڑا مذہبی اور دین دار حکمران تھا اور اسلام کے شرعی قوانین کی خلاف ورزی پر شرعی حد جاری کرتا تھا۔

دولت ہباریہ کا خاتمہ

سندھ اور ملتان کی دوسری خود مختار حکومتوں کی طرح منصورہ کی دولتِ ہباریہ کا خاتمہ بھی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہوا۔ ابن کثیر اور ابن خلدون نے اس بارے میں لکھا ہے کہ منصورہ کا حاکم مرتد ہو گیا تھا، چنانچہ جب محمود غزنوی کو اس کا پتا چلا تو اس نے منصورہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ جب حاکمِ منصورہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ منصورہ چھوڑ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا، مگر سلطان محمود غزنوی نے

دو طرف سے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا اور قتلِ عام شروع کیا۔ بہت سے لوگ قتل ہو گئے اور بہت کم بچ سکے، لیکن اس بارے میں قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں کہ سلطان منصورہ کے اسلام سے مرتد ہونے کی تصریح بڑی حیرت انگیز اور قابل نقد و نظر ہے، کیونکہ ملوک منصورہ انتہائی دین دار اور پابندِ سنت تھے، امام داؤد ظاہری کے طریقے پر شدت سے عامل تھے، دولتِ ہباریہ کا سرکاری مذہب بھی ظاہری تھا اور وہ اوّل سے آخر تک عباسی خلفا سے متعلق رہے۔ انہی کے زمانے میں سندھ کا ایک راجہ مسلمان ہوا۔ اسی طرح ہباری حکمرانوں نے خالص دینی اور اسلامی کام کیے جو ان کے دورِ حکومت کے قابلِ فخر کارنامے ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں سلطان محمود کے ہندوستان پر بار بار حملہ آور اور فتح یاب ہونے کے زمانے میں منصورہ کے بادشاہ کا اسلام ہی سے برگشتہ ہو جانا بالکل قرینِ قیاس نہیں ہے اور نہ کوئی اس کی دلیل ہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری مزید لکھتے ہیں کہ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی یلغار نے ہندوستان کو اس طرح اپنے حلقے میں لے لیا تھا کہ پنجاب، کشمیر، سندھ اور گجرات تک کے علاقے اس کی حکومت میں آ گئے تھے۔ سندھ اور ملتان کی خود مختار عرب حکومتیں بھی اس کی حکومت کا حصہ بن چکی تھیں۔ صرف منصورہ کی ایک حکومت اب تک الگ تھی، لہٰذا اس کو بھی دولتِ غزنویہ میں شامل کرنے کے لیے جواز کی شکل ڈھونڈ لی گئی اور منصورہ کی خالص سُنّی اور متدین دینی حکومت کی پیشانی پر ارتداد کا ٹیکہ لگا کر اس کو بھی فتح کر لیا گیا۔ غالباً ایسا اس لیے کیا گیا کہ منصورہ میں علویوں کی بہت بڑی آبادی تھی اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے آبا و اجداد بنو عباس کے خلاف خروج و بغاوت میں نمایاں حصہ لے چکے تھے اور جہاں بھی ان علویوں کا زور چلتا وہ اپنے اس کام سے نہیں چوکتے تھے جیسا کہ انہی لوگوں نے ملتان کی سُنّی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔"

یہاں ایک بات اور محلِ نظر رہے کہ عام طور سے علوی، عباسی خلافت کے خلاف خروج وغیرہ میں سرگرمی دکھانے کی وجہ سے ہر طرف اپنے لیے خطرات محسوس کرتے تھے۔ ان میں بے گناہ بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ہباری حکمران ان بے گناہ علویوں سے محبت کرتے تھے ان کو بغیر کسی شک و شبہ کے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دیتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کو منصورہ کے ان علویوں اور ان کے طرف داروں سے خطرہ محسوس ہوتا ہو اور اس نے منصورہ کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کے لیے ارتداد کی خبر عام کرائی ہو۔ ملک گیری کی سیاست میں یہ سب

کا درجہ رکھتی ہیں۔

اسی خلافت سے تعلق

منصورہ کے ہباری حکمران اگرچہ خود مختار اور آزاد تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنا تعلق
اسی خلافت سے برقرار رکھا۔ ان کے علاقے میں عباسی خلفا ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔
طرح انھوں نے عباسی خلافت کے مخالفوں یعنی علویوں، خارجیوں اور شیعوں کا بھی ساتھ نہ دیا
انچہ ہباری خاندان کے دورِ حکومت میں سندھ کا پورا علاقہ عباسی خلافت کے دائرۂ اقتدار میں
امل سمجھا جاتا تھا اور ہباری حکمران ان کے نائب کی حیثیت رکھتے تھے، البتہ ایک وقت ایسا
آیا جب آل بویہ کے دوسرے حکمران عضدالدولہ دیلمی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، لیکن اس بارے میں
مقدسی لکھتا ہے کہ آل بویہ کے نام کا خطبہ صرف سندھ کے ساحلی شہروں ہی میں پڑھا گیا اور
یہ سلسلہ صرف چند دنوں تک قائم رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ۳۶۸ھ میں عباسی خلیفہ طائع
للہ نے دیلمیوں کے دباؤ سے خود حکم جاری کیا تھا کہ تمام ماتحت علاقوں میں عضدالدولہ کے نام کا
خطبہ پڑھا جائے۔ آلِ ہبار کا آلِ بویہ کے نام کا خطبہ پڑھنا درحقیقت عباسی خلیفہ ہی کے حکم کی
اطاعت تھی، اس طرح ۲۴۷ھ سے ۴۱۷ھ تک تقریباً ایک سو ستر (۱۷۰) سال کی مدت میں منصورہ کے
حکمرانوں نے خلافتِ عباسیہ کے جن خلفا کا خطبہ پڑھا ان کی تعداد پندرہ ہے۔

اسی طرح آل ہبار کے بغداد کے آل ابن ابی الشوارب سے بھی نہ صرف دیرینہ تعلقات قائم
تھے بلکہ آپس میں دونوں کی رشتہ داریاں تک تھیں۔ آل ابن ابی الشوارب سے ان کے تعلقات سے ہم
یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جس طرح ابن ابی الشوارب کا گھرانہ علم و فضل میں مشہور تھا، اسی طرح آلِ ہبار
بھی علم و دین میں معزز و محترم شمار کیے جاتے تھے۔

نظمِ حکومت

بنو ہبار کے دور میں ان کی حدودِ مملکت میں مکمل طور پر امن و امان رہا۔ ان کے اقتدار میں
آنے سے قبل سندھ سیاسی ابتری کا شکار تھا اور یہاں کی ریاستیں سرکشی کی راہ اختیار کر رہی تھیں،
لیکن جب آلِ ہبار نے اقتدار سنبھالا تو ان کی حدودِ مملکت میں واقع الور کی طاقت ور ہندو ریاست
نے بھی ان کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ آلِ ہبار نے اپنے نظمِ مملکت کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی

جس کی وجہ سے ہر طرف عدل و انصاف اور امن و خوش حالی کا دور دورہ ہوا - اسی لیے ابن حوقل بغدادی لکھتا ہے کہ " ہباری حکمرانوں نے ملکی انتظام میں وہ قابلیت دکھائی جس نے رعایا کے دلوں کو ان کی طرف کھینچ لیا اور وہ دوسرے حکمرانوں کے مقابلے میں ہباریوں کو چاہنے لگے۔" دولتِ ہباریہ کے نظمِ حکومت کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی تھا کہ ان کے بعض مقبوضہ شہروں میں مقامی حکمران ہوا کرتے تھے جو اگرچہ وہاں کے مستقل حکمران ہوتے تھے مگر خراج ادا کر کے اور بعض دوسرے شرائط منظور کر کے مرکز منصورہ سے تعلق رکھتے تھے - یہ دولتِ ہباریہ کے ماتحت علاقے تھے - چنانچہ سندھ کا شہر الور اسی اعتبار سے حکومتِ منصورہ میں شامل تھا کہ یہاں کے راجے ماتحت تھے اور یہ کہ وہ ہباری حکمرانوں کی باج گزاری اور امان میں حکومت کرتے تھے۔

منصورہ کے ہباری حکمرانوں نے ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے فوجی طاقت اور فوجی نظام کے استحکام پر بہت زور دیا، چنانچہ مسعودی کے قول کے مطابق ان کی فوج میں اسّی جنگی ہاتھی تھے اور ہر ہاتھی کے ساتھ پانچ سو پیدل سپاہی ہوتے جو ان کی دیکھ بھال کرتے تھے - اس زمانے میں تلوار اور نیزے عام آلاتِ جنگ تھے - اس کے علاوہ زرہیں، طرخونی جنگی لباس، بکتر بند اور سینہ بند وغیرہ بھی استعمال ہوتے تھے۔

ہباریوں نے اپنے پورے دورِ اقتدار میں اپنے قرب و جوار کی کسی بھی ریاست سے کوئی جنگ نہ لڑی۔ ان کا پورا دور صلحِ کل کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے - البتہ سندھ کی ساحلی قوم مید سے ان کی ہمیشہ جنگ رہی۔ یہ قوم سندھ کے ساحلی علاقوں سے لے کر ہندوستان کے ساحلی علاقوں تک آباد تھی۔ یہ درحقیقت سمندری رہزن تھے، اسی لیے ان کے بارے میں مسعودی نے لکھا ہے کہ " منصورہ کی حدود میں میدوں سے بکثرت لڑائیاں جاری رہتی تھیں - یہ سندھ وغیرہ کی ایک قوم ہے اور یہ لوگ یہاں کی حدود میں آباد ہیں - آل ہبار نے نہ صرف ان سے بری اور بحری لڑائیاں لڑیں بلکہ ساحلی علاقوں میں ان کی طاقت کو بری طرح کچل کے امن و امان قائم کیا اور اس طرح غیر ملکی بری اور بحری تجارت کو ترقی ہوئی - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر کا سامان تجارت یہاں آکر فروخت ہوتا تھا اور ملک میں تجارتی راستوں کا جال بچھا ہوا تھا - یہ راستے ہر طرح سے محفوظ تھے - خشکی کے راستے منصورہ کی تجارت صغد، چین، تبت اور خراسان سے ہوتی تھی - اسی طرح ان کے دور میں بحری تجارت بھی کافی عروج پر تھی

اور بصرہ، البہ اور سیراف وغیرہ کے تاجر ہندوستان اور چین کا سفر کرتے تھے۔ دیبل میں ہر جگہ کے بحری تاجر جمع ہوتے تھے اور بندرگاہ دیبل ان کے دور میں ایک عالمی تجارتی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ دیبل کے علاوہ منصورہ، نیرون اور قالری (کلری) بھی اندرونِ سندھ اہم تجارتی مرکز تھے۔ ہباری دور میں سندھ کی بری اور بحری تجارت بھی عروج پر تھی اور پورے عالمِ اسلام میں اس کا تجارتی تعلق قائم تھا۔

غیر مسلموں سے سلوک

آلِ ہبار کے دور میں غیر مسلموں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ ذمیوں کے بارے میں اسلامی شریعت کی پابندی کرتے تھے، چنانچہ بقول قاضی اطہر مبارک پوری یہ غیر مسلم اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے مقابلے میں ان مسلم حکمرانوں کو ترجیح دیتے تھے اور ان سے خوش رہتے تھے بلکہ ہندو حکومتوں کے حکمران اور عوام مسلمانوں سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور آلِ ہبار کی اسی رواداری اور حکمتِ عملی اور حسنِ سیاست کا یہ نتیجہ تھا کہ یہاں کے راجے اور مہاراجے بھی اسلام قبول کرکے اس کی خدمت کرتے تھے۔

علم و ادب

ہباری دورِ حکومت میں سندھ میں کئی شہر اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے۔ ان شہروں میں جگہ جگہ دارالعلوم قائم تھے اور ایک ایک محلے میں کئی کئی علما بستے تھے۔ علم و ادب کی اس ترقی کی وجہ یہ تھی کہ آلِ ہبار خود علم دوست اور اہلِ علم کے قدردان تھے۔ انھوں نے علوم و علما کی سرپرستی کی۔ علمی خاندانوں سے ان کے تعلقات تھے اور اہلِ علم و فضل ان کے دربار سے وابستہ تھے۔ بڑے بڑے شہروں کی زبان عربی اور سندھی دونوں تھیں۔ اس زمانے میں الور ایک بہت بڑا شہر تھا اور وہاں مسلمانوں کی بہت زیادہ آبادی تھی۔ یہ شہر بھی ہباری حکومت کے زمانے میں علم و فن کا مرکز اور دینی سرگرمیوں کا گہوارہ تھا۔ بیرون بھی خالص اسلامی شہر تھا۔ دیبل علما و فقہا کا مرکز تھا، اسی لیے یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ دیبل کی طرف رواتِ حدیث کی ایک جماعت منسوب ہے۔ دیبل کا شہر سندھ میں محدثین اور رواتِ حدیث کا سب سے پہلا اور سب سے اہم مرکز تھا اور اس نواح کے تمام شہروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ یہاں کے علما پورے عالمِ اسلام سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ملک میں ان کی آمد و رفت تھی۔ سندھ کا یہ شہر بقول قاضی اطہر مبارک پوری احادیثِ رسول کا شہر تھا

اور یہاں پر احادیث کی تعلیم و روایت تھی۔ دیبل ساحلی شہر اور عرب و ہند تجارت کا اہم مرکز تھا۔ اس لیے یہاں کے بعض محدثین تاجر بھی تھے، چنانچہ ابو محمد حسن بن حامد دیبلی بغدادی جو علم حدیث میں اہم مقام کے حامل تھے بغداد کے بڑے تاجروں میں سے تھے، اور منصورہ تو گویا دارالاسلام والمسلمین بن کر بغداد کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ یہاں کے رسم و رواج عراق سے ملتے جلتے تھے۔ حسنِ اخلاق اور شرافت میں بھی یہ لوگ مشہور تھے۔ منصورہ کے بارے میں مقدسی لکھتا ہے کہ "یہاں اسلام تروتازہ ہے اور علم اور اہلِ علم کی کثرت ہے۔ ان کے اخلاق و عادات اہلِ عراق سے ملتے جلتے ہیں اور ان میں بردباری اور حسنِ اخلاق ہے۔"

منصورہ بھی آلِ ہبار کی دینی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور یہاں بھی اسی قسم کی درس گاہیں تھیں جن میں علما و محدثین باقاعدہ کتاب و سنت کا درس دیتے، احادیث کی روایت کرتے اور فقہ کی تعلیم دیتے۔ یہاں دوسرے علوم کے مقابلے میں علومِ شرعیہ کا زیادہ رواج تھا، چنانچہ منصورہ میں قاضی ابو محمد منصوری کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں اور تصنیفی کارگزاری کے بارے مں مقدسی لکھتا ہے کہ ان کے درس کی مجلس ہے اور تصنیفات ہیں، وہ کئی اچھی اچھی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ یہی حال سندھ کے ایک اور قدیم شہر بوقان کا تھا۔ یہ سندھ کے ان خاص شہروں میں سے ہے جہاں ابتدا ہی سے مسلمان آباد تھے۔ اس کے قریب ہی عباسی گورنر عمران بن موسیٰ برمکی نے بیضا نامی شہر آباد کیا۔ یہ مقام ابتدا ہی سے اسلام اور علمی و دینی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ ہباری دور میں بھی یہاں کئی علما و محدثین موجود تھے، جنھوں نے بوقان اور اس کے باہر دیگر ممالک میں دینی علوم و فنون کی اشاعت کی۔ دولتِ ہباریہ منصورہ کے دور کے علما و محدثین کا مختصر ترین تذکرہ بھی کافی طویل ہوگا۔ ان علما کی تعداد کئی سو سے زاید تھی۔ سطور ذیل میں ہم اس دور کے صرف تین مشہور ترین علما کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ محمد بن ابی الشوارب: یہ منصورہ کے قاضی تھے اور ۲۸۳ھ میں عراق سے آکر سندھ میں آباد ہوگئے تھے۔ اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، ان کے بارے میں مسعودی نے لکھا ہے کہ بغداد کے لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے اور خلیفۂ بغداد اور عباسی شہزادے ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے تھے اور بوقتِ ضرورت ان کی حاجت برآری بھی کرتے تھے۔ ان کے بعد اُن کے لڑکے علی بن محمد ابن ابی الشوارب منصورہ کے قاضی مقرر ہوئے، ان کا خاندان چوتھی صدی ہجری کے ابتدائی سالوں تک

سندھ میں رہا۔

۲۔ ابومحمد المنصوری : ان کا خاندان چوتھی صدی ہجری کے آخر میں سندھ میں موجود تھا۔ یہ بھی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور مذہبِ داوٗد ظاہری کے امام تھے، متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ مقدسی اپنی کتاب احسن التقاسیم میں لکھتا ہے کہ ان کا پایہ علم میں بہت بلند تھا، اسی لیے منصورہ کی قضا کا عہدہ ان کے سپرد کیا گیا۔

۳۔ قاضی ابوالعباس احمد بن محمد صالح تمیمی المنصوری : شہر منصورہ کے قاضی اور ظاہری مذہب کے امام تھے۔ ان کا شمار ظاہری فرقے کے عالموں میں ہوتا تھا، کئی اعلیٰ کتب تحریر کیں۔ ابتدا میں اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد جا کر وہاں کے علما و محدثین سے احادیث کی روایت کی اور منصورہ آ کر عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔

انتخابِ حدیث : مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ کتاب ان احادیث کا مجموعہ ہے جو زندگی کی اعلیٰ قدروں سے تعلق رکھتی ہیں اور جن سے فقہ کی تشکیلِ جدید میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ ہر حدیث کی الگ سرخی قائم کی گئی ہے اور اس کا سلیس ترجمہ بھی درج ہے۔ یہ مجموعہ حدیث کی چودہ کتابوں کا خلاصہ اور بے مثل انتخاب ہے

صفحات ۲۰ + ۲۶۴ قیمت ۴۵ روپے

مجمع البحرین (شیعہ سنی متفق علیہ احادیث) : مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ کتاب وحدتِ امت کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ اس میں وہ احادیث و روایات جمع کی گئی ہیں جو شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان متفق علیہ حیثیت رکھتی ہیں۔ شروع میں علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد کا تعارف و تبصرہ اور علامہ نصیر الاجتہادی کی تقریظ ہے۔

صفحات ۲۸ + ۲۲۲ قیمت ۱۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، لاہور

الفہرست : محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق

اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآنِ مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالم وجود میں آئے، پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ قیمت ۴۵ روپے

اسلام کا نظریۂ تاریخ

مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے پیش کردہ اصولِ تاریخ صرف گزشتہ اقوام کے لیے ہی نہیں بلکہ موجودہ قوموں کے لیے بھی بصیرت افروز ہیں۔

صفحات ۲۱۶ قیمت ۱۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور